# ہندوستان میں اسلام کی دعوت

## اہمیت اور تقاضے

سید جلال الدین عمری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# ہندوستان میں دعوتِ اسلامی کی اہمیت اور اس کے تقاضے

۱۳/۱۴ مارچ ۱۹۹۵ءکو جامعہ دارالسلام عمرآباد میں اساتذہ کے دوروزہ تربیتی اجتماع میں مولانا سید جلال الدین عمری نے "ہندوستان میں دعوتِ اسلامی کی ضرورت واہمیت اور اس کے تقاضے" پر مدلل تقریر کی تھی، جسے کیسٹ سے نقل کرواکے مولانا محترم کی نظرثانی کے بعد قارئین کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے

ہمارا ملک ایک لمبا چوڑا اور وسیع وعریض ملک ہے ۔ یہاں چین کے بعد دنیا کی سب سے بڑی آبادی رہتی بستی ہے ۔ یہ آبادی ایک ارب کے قریب پہنچ رہی ہے ۔ اگر دنیا کی موجودہ آبادی جیسا کہ اندازہ ہے ، سات ارب مان لی جائے تو اس کا ہر ساتواں فرد ہمارے ملک ہندوستان میں ہے ۔ یہاں کے بڑے بڑے شہروں کو اگر آپ دیکھیں تو ہر شہر ایک ملک کے برابر نظر آئے گا ۔ پچھلی مردم شماری میں بمبئی کی آبادی ایک کروڑ دس لاکھ اور کلکتہ کی ایک کروڑ تھی ۔ دلی کی اسّی پچاسی لاکھ تھی ۔ اتنی آبادی کے آپ جانتے ہیں کتنے ہی ممالک پائے جاتے ہیں ۔ یوں کہنا چاہیے کہ ہمارا ایک ایک شہر ایک ایک ملک کے برابر ہوگیا ہے ۔ اس میں مسلمانوں کی آبادی خود گورنمنٹ کے اعداد و شمار کے مطابق تقریباً گیارہ کروڑ ہے ۔ مسلمانوں کا احساس ہے کہ یہ اعداد و شمار بہت زیادہ صحیح نہیں ہیں ۔ اسے آپ کچھ بڑھا بھی سکتے ہیں ۔ اگر آپ اسے پندرہ کروڑ مان لیں تو اتنی

بڑی مسلم آبادی والے ممالک دنیا کے نقشہ پر چند ایک ہی ہیں۔ فطری طور پر اتنی بڑی آبادی کے بے شمار مسائل اور ضرورتیں ہیں۔ انھیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ لازماً انھیں پیشِ نظر رکھنا ہوگا۔ دینی اور اخلاقی لحاظ سے یہ امت بڑی کمزوریوں میں مبتلا ہے۔ اس کے عقائد بھی متاثر ہیں اور اخلاق بھی۔ اس کے معاملات کا رخ بھی خالص اسلامی نہیں ہے۔ یوں کہنا چاہیے کہ ہر پہلو سے وہ اسلامی معیار سے فروتر ہے، اس لیے اس عظیم ملت کے بارے میں ہم فطری طور پر سوچتے رہتے ہیں اور سوچتے رہنا چاہیئے بھی۔ یہ ہماری دینی ذمہ داری ہے۔ اسے حدیث شریف میں امت کے ساتھ نصیحت اور خیر خواہی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مسلم شریف کی یہ حدیث ہم سب کے ذہن میں یقیناً موجود ہوگی۔ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

| | |
|---|---|
| الدین النصیحۃ قالوا | دین خیر خواہی ہے۔ صحابہؓ نے |
| لمن یارسول اللہ، قال للہ | عرض کیا، خیر خواہی کس کے ساتھ ہوگی؟ |
| ولکتابہ ولرسولہ ولائمۃ | آپ نے ارشاد فرمایا اللہ کے ساتھ، اس |
| المسلمین وعامتہم | کی کتاب کے ساتھ، اس کے رسول کے |
| (مسلم، کتاب الایمان، باب بیان | ساتھ، مسلمانوں کے ائمہ اور ان کے |
| ان الدین النصیحۃ) | عوام کے ساتھ۔ |

یہ گویا ایک بڑا کام ہے جو یہاں ہونا چاہیئے اور میرا خیال ہے ہم اس کے لیے فکرمند بھی ہیں اور کسی نہ کسی درجے میں یہ کام انجام پا بھی رہا ہے۔ اسے اور بہتر طریقے سے انجام پانا چاہیے لیکن اس ملک کی بہت بڑی اکثریت جس کی تعداد اسّی کروڑ کے قریب ہے، غیر مسلموں پر مشتمل ہے۔ وہ مسلمانوں کے ساتھ رہتے ہوئے بھی اسلام سے بڑی حد تک بیگانہ اور ناواقف ہے۔ اسلام کے بارے میں اس کے

اندر طرح طرح کی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں بلکہ اسے اسلام سے ایک طرح کی نفرت ہے۔ اس کے بڑے گہرے اسباب ہیں۔ ہمیں کھلے دل سے تسلیم کرنا چاہیے کہ ان کا تعلق ہماری کوتاہی، بے عملی اور غلط رویّہ سے بھی ہے۔ اس کے ساتھ آزادیِ وطن سے پہلے انگریزوں کی اور آزادی کے بعد بعض فرقہ پرست تنظیموں کی مسلسل کوشش رہی ہے کہ یہاں کی غیر مسلم آبادی مسلمانوں سے دور رہے اور مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان جو اختلافات پائے جاتے ہیں وہ باقی رہیں اور نت نئے اختلافات پیدا کیے جاتے رہیں۔ یہ ہماری کوتاہی یا کمزوری رہی ہے کہ ہم نے اس بات کی کوشش نہیں کی کہ ان سے قریب ہوں، ان کو سمجھیں اور ان کے شکوک و شبہات کو دور کریں۔ اس کام میں بعض رکاوٹیں بیان کی جاسکتی ہیں اور فی الواقع رکاوٹیں ہیں، لیکن ایک بڑی سہولت اور آسانی بھی ہمیں حاصل ہے وہ یہ کہ ہم یہاں کی وسیع آبادی کے درمیان پھیلے ہوئے ہیں۔ ہمارے تو تقریباً ہر گاؤں یا بستی میں آپ دیکھیں گے کہ مسلمانوں کے ساتھ ساتھ غیر مسلم بھی موجود ہیں۔ یوپی، بہار اور بنگال وغیرہ میں خالص مسلم آبادی والے علاقے بھی آپ کو ملیں گے جن کے آس پاس کی آبادیاں غیر مسلموں کی ہوں گی، لیکن اس کے باوجود عجیب و غریب بات یہ ہے کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان ایک دیوار حائل ہے، تعلقات میں، میل جول میں روابط میں ایک حجاب ہے کہ ساتھ رہتے ہوئے بھی ایک طرح کی اجنبیت اور دوری ہے۔ ایک چھوٹی سی بات ہے کہ وہ نہیں جانتے کہ نماز کی ہمارے نزدیک کیا اہمیت ہے اور اس کی پابندی کو ہم کیوں ضروری سمجھتے ہیں؟ اس وقت میں ایک واقعہ سنانا چاہتا ہوں۔ ایمرجنسی کے دور کا واقعہ ہے، ہم کئی ایک اصحاب علی گڑھ جیل میں تھے۔ ہمارے ساتھ مختلف پارٹیوں سے تعلق رکھنے والے غیر مسلم بھی تھے۔ ان میں ایک صاحب مقامی کالج کے تاریخ کے لکچرر تھے۔ اسلامی تاریخ کی بھی انھیں اچھی خاصی معلومات تھیں۔ وہ بڑی حیرت سے ہم لوگوں

کو دن میں پانچ مرتبہ نماز پڑھتے دیکھتے تھے۔ ایک مرتبہ گفتگو کے دوران میں انھوں نے کہا کہ یہاں فرصت ہے آپ ہر وقت نماز پڑھتے رہتے ہیں۔ کیا آپ لوگ اپنی عام زندگی میں بھی اسی طرح نماز پڑھتے ہیں؟ جب ہم لوگوں نے بتایا کہ ہم لوگ ہر روز ہر موسم میں ہر طرح کے حالات میں اسی طرح پابندی کرتے ہیں، اس میں دانستہ کوتاہی نہیں کرتے تو ان کی حیرت میں اور اضافہ ہوگیا۔ انھوں نے کہا کہ آپ پڑھے لکھے لوگ ہیں، کوئی یونیورسٹی سے متعلق ہے، کوئی لکھنے پڑھنے کا کام کرتا ہے، کوئی کاروباری ہے اور آپ کی گھریلو ذمہ داریاں بھی ہیں۔ اس سب کے ساتھ آپ پانچ وقت کی نماز کے لیے کیسے وقت نکال لیتے ہیں اور دن کا اتنا وقت نماز میں صرف کرنے کے بعد اور ذمہ داریاں کس طرح ادا کرتے ہیں؟ ان صاحب کے ذہن میں یہ بات تھی کہ جس طرح مندر یا گرجا میں عبادت کے لیے مخصوص پجاری ہوتے ہیں اسی طرح مسجد میں مؤذن ہوتا ہے وہ وقت پر اذان دیتا ہے اور جسے کوئی کام نہیں ہوتا یا جسے فرصت مل جاتی ہے وہ مسجد چلا جاتا ہے۔ جس طرح اتوار کو چرچ میں بڑا مجمع ہوتا ہے۔ اسی طرح جمعہ کو مسلمان بڑی تعداد میں جمع ہو جاتے ہیں۔

جب لکچرر صاحب کی بات ختم ہوئی تو میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ یہ کتنے افسوس اور صدمہ کی بات ہے کہ ایک ہزار برس کے طویل عرصہ میں ہم اس ملک کی اکثریت کو یہ نہ بتا سکے کہ ہم پانچ وقت کی نماز کے پابند ہیں اور اس پابندی کے ساتھ اپنی ذمہ داریاں دوسروں سے بہتر طریقے سے ادا کر سکتے ہیں اور ادا کرتے ہیں یہ کتنی بڑی دوری اور کتنا بڑا حجاب ہے؟

ایک موقع پر ایک جلسہ میں، جس میں ہندو مسلم دونوں ہی موجود تھے میں نے غیر مسلم احباب سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ میں یہاں تقریباً ایک ہزار برس کی طویل تاریخ کے ساتھ رہ رہا ہوں لیکن مجھے نہیں معلوم کہ آپ ہولی کیوں مناتے ہیں؟ دیوالی کیوں مناتے ہیں؟ آپ کے اور تہوار بھی ہیں، لیکن میں نہیں جانتا کہ ان کے پیچھے کیا تصورات ہیں؟ اسی طرح آپ کو

نہیں معلوم کہ ہماری عید کیا ہے؟ بقر عید کیا ہے؟ خاص مواقع پر یہ خوشی کیوں منائی جاتی ہے؟ ان کے پیچھے کیا فلسفہ ہے؟ میں نے کہا یہ بات تو میں نے آپ کے سامنے ہمت کر کے کہہ دی لیکن اگر میں کسی دوسرے ملک میں جاؤں، یورپ جاؤں، امریکہ جاؤں یا کسی اور ملک میں جاؤں اور وہاں جاکے کہوں کہ سرزمین ہند میں ہم لوگ ایک ہزار برس سے ساتھ رہ رہے ہیں، لیکن مجھے نہیں معلوم کہ میرے غیر مسلم بھائی اپنے تہوار کیوں مناتے ہیں؟ اور انھیں اس کا علم نہیں ہے کہ میری عید کیا ہے؟ اور وہ کیوں منائی جاتی ہے؟ تو میرے اس بیان کو شاید وہ مذاق سمجھیں گے یا مجھے پاگل اور خبطی قرار دیں گے۔ اس لیے کہ دنیا کا قاعدہ یہ ہے کہ کسی ملک میں باہر سے لوگ آتے ہیں، وہ وہاں کی تہذیب، تمدن اور معاشرت کا مطالعہ چند مہینوں میں یا دو ایک سال میں کر لیتے ہیں۔ وہ یہ سمجھ ہی نہیں سکتے کہ ایک ہزار برس سے جہاں ایک قوم رہ رہی ہو وہ ایک دوسرے کے تہواروں تک سے ناواقف ہوگی۔ یہ ایک آہنی دیوار ہے جو دونوں قوموں کے درمیان موجود ہے۔ معلوم نہیں یہ دیوار کب تک رہے گی؟ یہاں کے غیر مسلم ہمارے دکھ درد اور خوشی اور مسرت سے واقف اور نہ ہم ان کے رنج و راحت سے آشنا، نہ وہ ہماری مشکلات سے باخبر اور نہ ہم ان کے مسائل سے آگاہ۔ یہ صورت حال واقعہ یہ ہے کہ بہت حیرت انگیز بھی ہے، تعجب خیز بھی اور صحیح بات یہ ہے کہ توجہ طلب بھی ہے۔

تعلقات کی جو قربت ہونی چاہئے تھی اس کے ختم ہونے کی وجہ سے ہم جب بھی سوچتے ہیں اپنے بارے میں سوچتے ہیں۔ یقیناً ہر شخص کو اس کا حق ہے کہ پہلے وہ اپنے گھر کو دیکھے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دین کو ساری دنیا کے لیے بھیجا ہے اور ہم فخر کے ساتھ کہتے ہیں اور صحیح کہتے ہیں، اس میں کوئی مبالغہ بھی نہیں ہے کہ قرآن ساری دنیا کے لیے ہے وہ "ہُدًی لِلنَّاس" ہے اور اس کو لانے والی ذات

محمد صلی اللہ علیہ وسلم 'رحمۃ للعالمین' ہے۔ یعنی آپ ساری دنیا کے لیے رحمت ہیں۔ لیکن موجودہ دنیا کو یا یوں کہئیے ہمارے ملک کو ابھی تک یہ معلوم نہیں ہے کہ آپؐ کی ذاتِ بابرکات نوع انسانی کے لیے ہر پہلو سے رحمت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں انسانوں کے دکھ درد کا مداوا ہے، دنیا اور آخرت کی کامیابی اسی میں ہے۔ سوچنا چاہیئے کہ جو دین ساری دنیا کے لیے تھا' ہم نے اسے اپنی حد تک محدود کر رکھا ہے۔ اپنے دائرہ سے باہر اس کے تعارف کی یا اسے پہنچانے کی کوشش نہیں کی۔ اس سے بڑی کوتاہی اور کیا ہو سکتی ہے؟

اس میں شک نہیں کہ ہم اپنی ذات سے غافل نہیں ہو سکتے۔ ہمیں اپنی اصلاح کی فکر کرنی چاہئے اور اس کی خامیوں کو دور کرنا چاہئے، ہمیں اپنے گھر اور خاندان کی طرف بھی توجہ کرنی ہوگی۔ مسلمانوں کی اصلاح سے بھی ہم غفلت نہیں برت سکتے۔ لیکن اس کے ساتھ ہم پر تبلیغ دین کا فرض بھی عائد ہوتا ہے۔ ہمیں ساری دنیا میں اللہ کا دین پہنچانا ہے۔ ان میں سے ہر کام کی اہمیت ہے۔ ان میں سے کسی کو نہ تو نظر انداز کیا جا سکتا ہے اور نہ اس سے غفلت برتی جا سکتی ہے۔ ان میں کوئی خاص ترتیب نہیں ہے کہ اسی ترتیب سے یہ انجام دئے جائیں اور ایک مرحلہ طے ہو جائے تو دوسرا مرحلہ شروع کیا جائے۔ یہ سب کام ہماری توجہ چاہتے ہیں ان میں سے ہر ایک کے اپنے تقاضے ہیں ان سب کو پورا کرنا ہوگا۔ مثال کے طور پر قرآن کا حکم ہے: قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (التحریم:۶)

اس آیت میں کہا گیا ہے کہ اپنے آپ کو بھی اور اپنے بیوی بچوں کو بھی جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پہلے پوری طرح اپنی اصلاح کرلو اور ہر پہلو سے کامل اور مکمل ہو جاؤ تب بیوی بچوں کی طرف توجہ کرو بلکہ یہ دونوں عمل ایک ساتھ انجام دینے ہوں گے۔ اگر آدمی یہ سوچے کہ پہلے میں پوری طرح مکمل ہو جاؤں تب اپنے بیوی بچوں کی فکر کروں تو شاید اس طرف توجہ ہو ہی نہیں پائے گی۔ اسی طرح آپ دیکھتے ہیں کہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا: وَاَنۡذِرۡ عَشِیۡرَتَکَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ (الشعراء : ۲۱۴) اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈراؤ۔اس کا ایک پہلو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کو سیادت کا مقام حاصل تھا۔ اس وجہ سے اس طرف خاص توجہ کی ہدایت تھی۔ لیکن اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس سے فی نفسہ خاندان کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔ اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ خاندان کی اہمیت کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی کہا گیا۔ لِتُنۡذِرَ اُمَّ الۡقُرٰی وَمَنۡ حَوۡلَہَا (الشوریٰ : ۷) یعنی یہ قرآن ہم نے آپ پر اس لیے نازل کیا ہے کہ آپ اس کے ذریعہ مکہ اور آس پاس کی آبادی کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرائیں۔ اس طرح جہاں خاندان والوں کو عذابِ الٰہی سے ڈرانے کا حکم دیا گیا وہیں انذارِ عام کی بھی ہدایت کی گئی۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ دور و نزدیک کے سبھی بندگانِ خدا کے درمیان آپ کو یہ فرض انجام دینا ہے۔

اس آیت میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اسلام کی یہ دعوت صرف آپ کے خاندان اور قبیلہ یا مکہ کی وادیوں تک محدود نہیں رہے گی بلکہ یہ ایک عام دعوت ہے جسے ساری دنیا تک پہنچنا ہے اور وہ پہنچے گی۔ یہی حقیقت سورہ اعراف میں اس طرح بیان ہوئی ہے کہ آپ کی رسالت اور آپ کا پیغام ساری دنیا کے لیے ہے۔

| | |
|---|---|
| قُلۡ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىۡ رَسُوۡلُ | اے محمد کہہ دو کہ انسانو! میں تم سب |
| اللّٰهِ اِلَيۡكُمۡ جَمِيۡعَاْ ۨالَّذِىۡ لَهٗ | کی طرف اس خدا کا پیغمبر ہوں جو زمین اور |
| مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ | آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے اس |
| لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحۡىٖ وَيُمِيۡتُ | کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ وہی زندگی |
| فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهِ النَّبِىِّ | بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔ |

| | |
|---|---|
| الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ كَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○ (الاعراف: ۱۵۸) | پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے بھیجے ہوئے نبی امی پر جو اللہ اور اس کے ارشادات کو مانتا ہے اور پیروی اختیار کرو اس کی۔ امید ہے تم راہ راست پا لوگے۔ |

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جو بعض امتیازی خصوصیات بیان کی ہیں حدیث میں ان کی تفصیل موجود ہے۔ ان میں ایک خصوصیت جو کسی نبی کو حاصل نہیں تھی اسے آپ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے بُعِثْتُ لِلنَّاسِ عَامَّةً یعنی میری بعثت تمام انسانوں کے لیے ہوئی ہے۔

مکہ میں دعوت کا کام بھی جاری تھا اور جو لوگ اس دعوت کو قبول کر رہے تھے ان کی اصلاح و تربیت بھی ہو رہی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی سخت تاکید تھی کہ ایمان والوں کے ساتھ لطف و محبت کا رویہ جاری رہے۔ ان پر آپ کی عنایات میں فرق نہ آنے پائے اور ان کی اصلاح سے آپ غافل نہ ہوں۔ اس طرف سے کبھی ذرا سی نظر ہٹی تو فوراً متوجہ کیا گیا۔ سورۂ کہف میں دونوں باتوں کی طرف ایک ساتھ توجہ دلائی گئی ہے۔ ارشاد ہے:

| | |
|---|---|
| وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ○ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ | اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! تمہارے رب کی کتاب میں سے جو کچھ تم پر وحی کیا گیا ہے اسے (جوں کا توں) سنادو کوئی اس کے فرمودات کو بدل دینے کا مجاز نہیں ہے (اور اگر تم کسی کی خاطر اس میں رد و بدل کردوگے تو) اس |

بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ○

(الکہف : ۲۷، ۲۸)

سے مڑ کر بھاگنے کے لیے کوئی جائے پناہ نہ پاؤ گے اور اپنے دل کو ان لوگوں کی معیت پر مطمئن کرو جو اپنے رب کی رضا کے طلب گار بن کر صبح و شام اسے پکارتے ہیں اور ان سے ہرگز نگاہ نہ پھیرو۔ کیا تم دنیا کی زینت پسند کرتے ہو؟ کسی ایسے شخص کی اطاعت نہ کرو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور جس نے اپنی خواہش نفس کی پیروی اختیار کر لی ہے اور جس کا طریق کار افراط و تفریط پر مبنی ہے

ان آیات میں پہلے تلاوت کتاب کی ہدایت ہے۔ پھر اس خاص توجہ کا ذکر ہے جو صحابہ کرام کی طرف ہونی چاہیے جو اخلاص میں ڈوبے ہوئے تھے جن کے دلوں میں خدا کی رضا کے سوا دوسری کوئی طلب نہیں تھی اور صرف اس کی خوشنودی کے لیے جان دے رہے تھے۔ ان کی طرف سے کیسے نظر پھیری جا سکتی ہے؟ ان کے مقابلے میں وقت کے سرمایہ داروں کی، بادشاہوں کی اور صاحبِ اقتدار لوگوں کی حیثیت کیا ہے کہ داعی ان خدا پرستوں کو نظر انداز کر کے اس کے باغیوں کی طرف توجہ کرنے لگے؟ ان آیات میں تلاوت کتاب کا جو حکم دیا گیا ہے وہ تبلیغ دین کی بنیاد ہے۔ دعوت دین کی ساری تفصیلات اسی کے ضمن میں آتی ہیں۔ تلاوتِ کتاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض تھی اسے نتائج سے بے نیاز ہو کر انجام دینے کا حکم تھا۔ ارشاد ہے :

| | |
|---|---|
| اِنَّمَآ اُمِرۡتُ اَنۡ | مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اس شہر |
| اَعۡبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الۡبَلۡدَةِ | (مکہ) کے رب کی عبادت کروں جس نے |
| الَّذِىۡ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ | اسے محترم قرار دیا ہے اور ہر چیز جس کی ہے |
| شَىۡءٍ وَّ اُمِرۡتُ اَنۡ اَكُوۡنَ | اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں فرماں برداروں |
| مِنَ الۡمُسۡلِمِيۡنَ ۙ وَاَنۡ اَتۡلُوَا | میں شامل ہو جاؤں اور یہ کہ قرآن پڑھ کر |
| الۡقُرۡاٰنَ ۚ فَمَنِ اهۡتَدٰى | سناؤں اس کے بعد جو شخص ہدایت حاصل |
| فَاِنَّمَا يَهۡتَدِىۡ لِنَفۡسِهٖ ۚ | کرے تو اپنے ہی فائدہ کے لیے ہدایت |
| وَمَنۡ ضَلَّ فَقُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا | حاصل کرتا ہے اور جو ضلالت اختیار کرے |
| مِنَ الۡمُنۡذِرِيۡنَ ۙ | تو (اس میں اسی کا نقصان ہے) تم کہو کہ میں |
| (النمل: ۹۱، ۹۲) | تو بس ڈرانے والا ہوں۔ |

ان آیات میں خدا کی عبادت، اس کے سامنے سر خم کر دینے اور مسلم و فرماں بردار بن جانے کا حکم ہے۔ اس کا تعلق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے ہے۔ دوسروں کے درمیان آپ کو جو فرض انجام دینا ہے اسے تلاوتِ کتاب سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یعنی یہ کہ خدا کے بندوں کو آپ خدا کی یہ کتاب پڑھ کر سنائیں۔ اس کے سننے کے بعد جو راہِ راست اختیار کرے اس کا فائدہ اسی کو پہونچے گا۔ دنیا اور آخرت میں وہ کامیاب ہوگا اور جو ضلالت ہی میں پڑا رہے تو اپنا ہی نقصان کرے گا۔ کسی دوسرے کا کچھ نہیں بگاڑے گا۔ آپ کی دعوت و تبلیغ کی ذمہ داری ختم ہو جائے گی۔

قرآن مجید نے امت سے ربط و تعلق رکھنے، اس سے بے رخی نہ برتنے اور اس کی اصلاح و تربیت کا بھی حکم دیا ہے اور یہ ذمہ داری بھی ڈالی ہے کہ قرآن مجید پڑھ کر سنایا جائے، اس کی تبلیغ کی جائے اور اس کے پیغام کو عام کیا جائے۔ یہ دو متعین فرض

ہیں۔ان میں سے کسی سے بھی غفلت نہیں برتی جا سکتی۔اس میں شک نہیں کہ اصلاحِ امت کی طرف تو ہماری توجہ اب بھی ہے اور پہلے بھی رہی ہے بلکہ بعض اوقات ہماری قوتوں کا بڑا حصہ اس نے اپنی طرف کھینچ لیا ہے لیکن دعوت کی طرف سے جس طرح ہم نے غفلت برتی ہے اس کی کوئی توجیہ نہیں کی جا سکتی۔غیر مسلموں میں دعوت کی کچھ منتشر مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں، کچھ موثر واقعات بھی بیان کیے جا سکتے ہیں، لیکن جس یکسوئی کے ساتھ اس طرف متوجہ ہونا چاہئے تھا، واقعہ یہ ہے کہ صدیوں سے وہ یکسوئی ہمیں حاصل نہیں ہے۔یہ بات بار بار ہمارے سامنے آتی ہے کہ اصلاحِ امت کے عمل میں اسے "دعوت الی اللہ" اور شہادت علی الناس کے لیے تیار کرنا بھی داخل ہے لیکن ہماری جد و جہد اس پہلو سے ناقص رہتی ہے بلکہ اس طرف بسا اوقات، توجہ ہی نہیں ہو پاتی۔ہم لوگ عام طور پر اپنی تقریروں میں سورہ آل عمران کی اس آیت کا حوالہ دیتے ہیں، بلکہ اس کے بغیر ہماری تقریریں شاید مکمل نہیں ہوتیں، وہ آیت ہے۔

| | |
|---|---|
| كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ | تم بہترین امت ہو جسے انسانوں |
| لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ | (کی ہدایت) کے لیے نکالا گیا ہے۔تم معروف |
| وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ | کا حکم دیتے اور منکر سے منع کرتے ہو اور |
| بِاللّٰهِ۔ (آلِ عمران: ۱۱۰) | اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ |

یہ آیت واضح کر رہی ہے کہ یہ امت خیر امت ہے جو تمام انسانوں کی فلاح اور ان کے فائدہ کے لیے وجود میں لائی گئی ہے، ہم سب کی ذمہ داری ہے کہ اس امت کو اس طرح تیار کریں کہ وہ خیر امت بن جائے۔خیر امت وہ کسی خاص طبقہ یا گروہ یا کسی خاص سرزمین کے لیے نہیں بلکہ وہ "للناس" ہے یعنی اس کی افادیت تمام انسانوں کے لیے ہے۔وہ سب کے لیے باعث خیر و برکت ہے۔ہمارے مفسرین نے

وضاحت کے ساتھ لکھا ہے اوران کی وضاحتیں میں نے اپنی کتاب "معروف ومنکر" میں جمع کردی ہیں کہ اس میں 'للنّاس' کا مطلب یہ ہے کہ اس سے دنیا کو فائدہ پہنچے گا غرض یہ کہ ہم نے امت کی طرف توجہ کی، مختلف پہلوؤں سے کی، اس کے اتنے پہلو ہیں کہ اس کے بیان کے لیے ایک مستقل دفتر چاہیئے۔ لیکن یہ کام کہ اس امت کو "دعوت الی الناس" کے لیے تیار کیا جائے اسے ہمارے مبلغین تیار کریں، ہمارے ادارے تیار کریں، ہمارے افراد تیار کریں، ہماری تنظیمیں تیار کریں اور اس طرح تیار کریں کہ وہ ساری دنیا کے لیے خیر بن جائے اور اللہ کا دین لوگوں کے سامنے پیش کر سکے تو یہ کام نہیں ہو پایا ہے۔ جبکہ یہ ہمارے اوپر فرض تھا۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ "کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ" کے بعد تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ کہا گیا ہے۔ حالانکہ ایمان سب سے مقدم ہے، اس کی وجہ اس ذمہ داری کو نمایاں کرنا ہے۔ قرآن مجید کے مضامین میں تقدیم وتاخیر کی بھی حکمتیں ہوتی ہیں۔ یہاں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ذمہ داری کو نمایاں کرنے اور اس کی اہمیت کو واضح کرنے کے لیے اسے مقدم کیا گیا ہے اور اس سلسلہ کی ایک بات یہ بھی ہے "تامرون بالمعروف" میں علمائے کرام نے لکھا ہے کہ یہ دعوت توحید بھی ہے۔ یہ بہت اہم بات ہے۔ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ کچھ اچھی اچھی باتیں بتانا اور بعض چھوٹے چھوٹے مسائل کی طرف متوجہ کرنا امر بالمعروف ہے۔ بلاشبہ یہ بھی اس میں شامل ہے، لیکن علماء نے صراحت کی ہے کہ امر بالمعروف کے اندر دعوت توحید اور نہی عن المنکر کے اندر تردید شرک شامل ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کام غیر مسلموں کے درمیان ہوگا اور اس میں پوری امت کو اور اس کے مختلف طبقات کو اپنی اپنی حیثیت میں شرکت کرنی ہوگی۔ جن لوگوں کو اس کا احساس ہے ان کی ذمہ داری دوسروں کے مقابلہ میں بڑھ جاتی

ہے کہ امت اس سے غافل ہے تو اسے متوجہ کریں اور اس کے لیے اسے تیار کریں اور اسے اس قابل بنائیں کہ یہ کارِ عظیم وہ انجام دے سکے۔ اس کے بغیر یہ امت اپنی ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہو سکتی۔

میرے بزرگو اور دوستو! اگر اس وقت آپ اپنے ماحول اور گردو پیش کا جائزہ لیں گے تو صاف دیکھیں گے کہ ہمارے اس ملک ہی کی نہیں پوری دنیا کی جو صورت حال ہے وہ کچھ اسی طرح کی ہے جیسے مختلف ادوار میں انبیاء کرام کی بعثت کے وقت ہوتی تھی یوں کہئے کہ قدیم جاہلیت نے جدید رنگ روپ اختیار کر لیا ہے۔ جاہلیت قدیمہ بھیس بدل کر جاہلیت جدیدہ کی شکل میں نمودار ہوئی ہے۔ عقیدہ و عمل کی جن خرابیوں کا تصور آپ دورِ جاہلیت میں کر سکتے ہیں وہ سب خرابیاں موجودہ دور میں موجود ہیں لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ موجودہ دور میں فکر و عمل کی آزادی، دعوت کے مواقع اور سہولتیں پہلے سے زیادہ حاصل ہیں ان سے ہمیں فائدہ اٹھانا چاہئے۔ انبیاء علیہم السلام جس دور میں آئے تھے قرآن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شرک کا دور تھا اور شرک کبھی کبھی الحاد کی شکل اختیار کر لیتا تھا۔ ہمارے ملک کا حال بھی کچھ اس سے زیادہ مختلف نہیں ہے۔ یہاں کے عوام شرک میں مبتلا ہیں اور خواص جن کے ہاتھ میں ملک کی باگ ڈور ہے الحادی فلسفوں میں گرفتار ہیں اور اسی الحادی فکر کی بنیاد پر یہاں کا پورا نظام حکومت چل رہا ہے۔ یہ ملک شرک کی طرف بڑھ رہا ہے۔ الحاد کی طرف بڑھ رہا ہے اور پھر اخلاقی قدریں جو قرآن کی تعلیمات کا ایک لازمی حصہ ہیں جو مکہ سے شروع ہوئیں اور مدینہ کے آخری دور تک جن کی تعلیم جاری رہی، ان اخلاقی قدروں میں سے بہت سی وہ ہیں جنھیں قرآن نے قانون کی حیثیت دے دی، یہ اخلاقی قدریں پامال ہو رہی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اس صورت حال میں ہمارا کیا رویہ ہو؟

ہم کیا کریں ؟ کیا خاموش بیٹھ جائیں کہ ملک جدھر جا رہا ہے اسے جانے دیں جب کہ ہمیں یقین ہے کہ اس سے اس کی دنیا ہی تباہ نہیں ہوگی، آخرت بھی تباہ ہوگی ۔ اب بتائیے ایسے میں آپ کا اور ہمارا کیا فرض ہے ؟ کیا ایک ارب انسانوں کے اس ملک کو اور دنیا کی آبادی کے ساتویں حصے کی دنیا اور آخرت تباہ ہونے دیں جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ یہ ہے کہ آپ نوع انسانی کی فلاح اور نجات کے لیے ہر آن بے چین اور مضطرب رہتے تھے ۔ آپ فرماتے ہیں کہ میری مثال تو ایسی ہے جیسے کسی نے آگ جلائی تو کیڑے پتنگے اس میں جلنے لگے اور میں انھیں اس سے بچانے کی کوشش کر رہا ہوں ـــ یہ اشارہ ہے جہنم کی آگ کی طرف ـــ آپ نے فرمایا کہ میں انسانوں میں سے ایک ایک کی کمر پکڑ کر اسے جہنم میں گرنے سے روک رہا ہوں لیکن وہ ہیں کہ اس پر ٹوٹے پڑ رہے ہیں ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ ذمہ داری ادا کر دی ۔ آپ نے اپنے ہر مخاطب کو جہنم سے بچانے کی اس طرح کوشش کی کہ حجت تمام ہوگئی ۔ آپ کے بعد یہ ذمہ داری اس امت پر عائد ہوتی ہے ۔ اس سے غفلت کے بعد کیا ہم اور آپ اللہ کی پکڑ سے بچ جائیں گے ۔ کوئی اندھا کنویں کی طرف بڑھ رہا ہو اور اس کی ہلاکت یقینی ہو تو جو ہاتھ اسے بچانے کے لیے آگے نہ بڑھے آخر کس کام کا وہ ہاتھ ۔ جو شخص ہلاکت کے اس منظر کو خاموشی سے دیکھے اس کی سنگ دلی پر خدا کا غضب بھڑک سکتا ہے اور اس کی سخت گرفت ہو سکتی ہے ۔ سوچیے یہاں ایک فرد کا نہیں ایک ملک کا سوال ہے ۔ پورا ملک غلط رخ پر اپنا سفر جاری رکھے ہوئے ہے اور انتہائی بھیانک انجام کی طرف بڑھ رہا ہے اور ہم اطمینان سے سوئے ہوئے ہیں ۔ کسی کو یہ فکر دامن گیر نہیں ہے کہ یہ ملک اور یہ سرزمین خدا کی عذاب کی لپیٹ میں نہ آئے اور خدا کی رحمتوں کی مستحق بن جائے ۔

اس دنیا میں جو شخص جس مقام پر کھڑا ہے اس کے حق میں دلائل رکھتا ہے۔ دعوت یہ ہے کہ کم زور موقف کی کمزوری واضح کی جائے اور دین حق کو دلائل کے ذریعہ ثابت کیا جائے۔ قدیم زمانے کا انسان گو منطق و فلسفہ اور مختلف پیچیدہ نظریات سے واقف نہیں تھا لیکن بالکل نادان بھی نہیں تھا۔ دنیا کے معاملات میں وہ بہت ہوشیار تھا۔ سورۂ عنکبوت میں دعوت کی مخاطب بعض قوموں کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہوا۔

| | |
|---|---|
| وَعَادًا وَّثَمُودَا وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُم مِّن مَّسٰكِنِهِمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ وَكَانُوا مُسْتَبْصِرِينَ ٥ (العنکبوت: ۳۸) | اور عاد و ثمود کو ہم نے ہلاک کیا۔ تم وہ مقامات دیکھ چکے ہو۔ جہاں وہ رہتے تھے۔ ان کے اعمال کو شیطان نے ان کے لیے خوش نما بنا دیا اور انھیں راہِ راست سے برگشتہ کر دیا۔ حالانکہ وہ ہوش و گوش رکھتے تھے۔ |

ایک دوسری جگہ فرمایا:

| | |
|---|---|
| فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى (حم السجدہ: ۱۷) | مگر انھوں نے راستہ دیکھنے کے بجائے اندھا رہنا ہی پسند کیا۔ |

دنیا کے معاملات میں وہ باخبر تھے۔ وہ پیغمبروں سے بحث کرتے تھے۔ ان کی بھی ایک منطق تھی۔ حضرت شعیب علیہ السّلام سے ان کی قوم کہتی ہے:۔

| | |
|---|---|
| أَصَلٰوتُكَ تَأْمُرُكَ أَن نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا أَوْ أَن نَّفْعَلَ فِي أَمْوَالِنَا مَا نَشٰؤُا | کیا تیری نماز تجھے یہ سکھاتی ہے کہ ہم ان سارے معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے تھے، یا یہ کہ ہمیں اپنے مال میں اپنے منشاء کے مطابق تصرف |

کرنے کا اختیار نہ ہو؟ (ہود: ۸۷)

یہ ایک منطق تھی آج یہ منطق ترقی کر گئی ہے اور زیادہ مستحکم دلائل کے ساتھ ہمارے سامنے ہے۔ اس میں شک نہیں کہ موجودہ دور میں اظہار خیال کی آزادی کو انسان کا ایک بنیادی حق تسلیم کیا جاتا ہے۔ آج کا انسان بات سننے کے لیے بھی تیار ہے اور آپ کو کچھ کہنے کا حق دینے کے لیے بھی تیار ہے اور یہ موجودہ دور کی خوبی ہے یہ ایک طرح کا اڈوانٹیج (Advantage) ہے جو آپ کو حاصل ہے۔ لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ آپ نے جیسے ہی آواز دی دنیا آپ کی طرف چلی آئے گی۔ ایسا نہیں ہے بلکہ اس کے لیے آپ کو بڑی سخت محنت کرنی پڑے گی۔ موجودہ فکر و فلسفہ جن پہلوؤں سے مسلّح ہے ان پہلوؤں سے اسے غیر مسلح کرنا ہوگا اور جو دلائل وہ رکھتا ہے ان دلائل کو بے وزن ثابت کرنا ہوگا۔ جس طرح قرآن نے اپنے دور میں دلائل کے لحاظ سے مخالفین کو بے بس کر دیا تھا اور حجت تمام کر دی تھی اسی طرح آپ کو ان کے دلائل کی خامی واضح کرنی ہوگی تاکہ حق اور باطل بالکل واضح ہو جائے اور انکار حق کی کوئی مضبوط بنیاد باقی نہ رہے۔ قرآن نے بار بار چیلنج کیا۔ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (النمل: ۶۴) یعنی اگر تم سمجھتے ہو کہ اس کائنات میں خدائے واحد کے سوا کچھ اور خدا بھی ہیں جو یہاں تصرف کر رہے ہیں تو اس کے حق میں کوئی دلیل پیش کرو۔

کیا آج آپ دورِ جدید کے کسی فلسفہ کو اس طرح چیلنج کرنے کی پوزیشن میں ہیں؟ کیا باطل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر آپ کہہ سکتے ہیں "قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ" جب آپ اس طرح چیلنج کرنے کے موقف میں ہوں گے تب دنیا آپ کی طرف متوجہ ہوگی اور آپ کی بات سنے گی۔

ایک اور پہلو سے بھی اسلام کی دعوت کا کام بڑی توجہ اور محنت چاہتا ہے وہ یہ کہ قرآن مجید۔

۲۳ برس کی مدت میں ایک ترتیب کے ساتھ نازل ہوا۔ مکہ میں دین کے بنیادی عقائد اور اخلاقیات پر زور دیا گیا۔ حکم تھا کہ مخالفت پر صبر کیا جائے اور عفو و درگزر کی روش اختیار کی جائے اور کارِ دعوت جاری رکھا جائے پھر مدینہ میں جب اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آگیا تو معاشی، معاشرتی اور سیاسی احکام دئے گئے۔ حدود و تعزیرات کا نظام قائم ہوا۔ صلح وجنگ سے متعلق ہدایات دی گئیں اور تکمیل دین کا اعلان کر دیا گیا۔ آج یہ پورا دین ہمارے سامنے مرتّب اور مدوّن شکل میں موجود ہے۔ قرآن بلفظہ محفوظ ہے۔ احادیث کے مجموعے مرتب شکل میں موجود ہیں۔ اس پر قرآن وحدیث کے شارحین، فقہائے کرام اور متکلمین نے جو زبردست لٹریچر فراہم کر دیا ہے وہ موجود ہے۔ جب آپ دین کا نام لیتے ہیں تو یہ ساری چیزیں زیر بحث آجاتی ہیں۔ یہ نہ سمجھئے کہ دنیا ان تفصیلات سے بے خبر ہے۔ وہ اچھی طرح واقف ہے کہ آپ کا قانون کیا ہے؟ اور فقہاء نے کیا تفصیلات بیان کی ہیں؟ اس معاملہ میں عام واقفیت کے علاوہ علمی ماہرین اور متخصصین بھی موجود ہیں جو زیادہ وسیع معلومات رکھتے ہیں۔

ایک مرتبہ مجھے پٹنہ میں تقریر کرنے کا موقع ملا۔ اس میں زیادہ تر غیر مسلم پڑھے لکھے اصحاب تھے۔ تقریباً سو افراد کا مجمع رہا ہوگا۔ لوگوں نے بتایا کہ ہر پارٹی کے لوگ موجود تھے۔ میں نے ایک گھنٹہ سوا گھنٹہ تقریر کی۔ اس کے بعد سوالات ہوئے۔ تقریر مسلمان عورت کے حقوق سے متعلق تھی۔ میں نے اس تقریر میں اس پہلو پر بھی روشنی ڈالی کہ اسلام نے کس طرح عورت کو تعلیم کے میدان میں آگے بڑھایا ہے۔ اس پر ایک غیر مسلم نے کہا کہ آپ کا جو تعلیمی سسٹم ہے اس میں عورت کو ایک خاص دائرہ میں تعلیم دی جاتی ہے اس میں وہ گھر کے کام کاج کے لیے ایک بہتر فرد بن سکتی ہے لیکن سوسائٹی کے لیے بہ حیثیت مجموعی مفید نہیں ثابت ہو سکتی۔ اس کی تائید میں اس نے سورہ احزاب

کی آیت کا حوالہ دیا۔

| | |
|---|---|
| وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ (الاحزاب: ۳۴) | اور یاد کرو اللہ کی آیات اور اس کی حکمت کو جس کی تلاوت تمہارے گھروں میں کی جارہی ہے۔ |

اسے آیت تو یاد نہیں تھی لیکن اس کا ترجمہ اس نے پیش کیا اور کہا کہ قرآن اس تعلیم اور حکمت کا ذکر کرتا ہے جو اسے گھر کے اندر دی جاتی ہے۔ گھر سے باہر کے معاملات کے لیے اس کی تعلیم وتربیت کا ذکر نہیں ہے۔ میں نے اس اعتراض کے جواب میں آیت کا پس منظر بیان کیا اور بتایا کہ قرآن اسے کس طرح سماج کے لیے مفید اور کارآمد فرد بناتا ہے۔ میں نے اس واقعہ کا حوالہ محض اس لیے دیا ہے تاکہ اندازہ ہو سکے کہ غیر مسلم حضرات بھی اسلام کا مطالعہ کس طرح کر رہے ہیں، جن باتوں کی طرف ہمارا ذہن نہیں جاتا بسا اوقات وہی باتیں انھیں کھٹکتی ہیں۔ اس طرح دنیا بہت سی چیزوں کو اب زیر بحث لا رہی ہے۔ آپ کہیں گے کہ خدا ایک ہے۔ اس نے ہدایت دی ہے اور وہ قرآن کی شکل میں موجود ہے۔ ایک اعتراض کرنے والا فوراً کہہ سکتا ہے کیا وہی قرآن جس میں چار بیویاں رکھنے کی اجازت ہے، وہی قرآن جو غلامی کو جائز قرار دیتا ہے، وہی قرآن جس میں زانی کو کوڑے لگانے اور چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا گیا ہے؟ آپ جس کتاب کو سند مان رہے ہیں اس میں تو بہت سے وہ احکام ہیں جن کی معقولیت سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔ آپ پہلے مجھے اس پر مطمئن کیجئے پھر میں فیصلہ کروں گا کہ وہ من جانب اللہ ہے یا نہیں؟ اس طرح آپ کا کام پیچیدہ تر ہو گیا ہے۔ اب داعی اور مبلغ کے لیے زیادہ تیاری کی ضرورت ہے۔ مطلب یہ کہ جب آپ اسلام کا نام لیتے ہیں تو کتاب وسنت کی پوری تعلیمات اور ان کی تشریح وتفسیر میں ہمارے فقہاء کرام

نے، متکلمین نے اور تاریخ نویسوں نے جو کچھ لکھا ہے سب زیر بحث آجاتا ہے۔ اس صورتِ حال میں دو باتیں ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ قرآن وحدیث کی تعلیمات بے کم وکاست اور ٹھیک ٹھیک پیش کی جائیں اور موجودہ دور میں ان کی معنویت ثابت کی جائے۔ دوسری بات یہ کہ قرآن وحدیث کی مختلف تعبیرات و تشریحات میں جو بات صحیح ہے اسے صحیح اور جو غلط ہے اسے غلط کہا جائے۔ اسی وقت یہ کام انجام پاسکے گا۔

انبیاء علیہم السّلام کی تعلیمات میں ایک چیز نمایاں نظر آتی ہے وہ یہ کہ ہر نبی نے اپنے دور میں فکر وعمل کا جو فساد تھا اور جو اخلاقی، سماجی اور معاشرتی خرابیاں تھیں ان میں سے ایک ایک سے تعرض کیا اور یہ حقیقت واضح کی کہ زندگی کے بعض بنیادی سوالات ہیں ان کے بارے میں آدمی کسی صحیح نتیجہ پر پہنچ جائے تو اس کے سارے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ انھوں نے خدا، رسول اور آخرت کے تصور کو اس حیثیت سے پیش کیا کہ اس کے ماننے سے زندگی کا صحیح رخ متعین ہوجاتا ہے اور آدمی کے لیے دنیا اور آخرت کی کامیابی کی راہیں کھل جاتی ہیں۔

یہی حکمت عملی اس وقت بھی اختیار کی جانی چاہیے۔ اب دنیا اپنے مسائل حیات کو اس زاویۂ نظر سے نہیں دیکھتی جس زاویہ نظر سے اسلام دیکھتا ہے اور اس کے فکر ونظر کا انداز وہ نہیں ہے جو اسلام نے اختیار کیا ہے۔ آج کی تعلیم گاہیں، لائبریریاں، ریسرچ اور تحقیق کے ادارے جہاں ذہن بنتے ہیں اور جو فکری رخ متعین کرتے ہیں وہ انسان کو اسلام سے دور کررہے ہیں اور اسلام کے معتقدات سے اسے منحرف کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ آپ جس فن کی چاہیں تعلیم حاصل کریں۔ خدا کا نام کہیں نہیں آئے گا، کہیں وحی و رسالت کی ضرورت نہیں محسوس ہوگی، کہیں یہ سوال نہیں ابھرے گا کہ اس زندگی کا آخرت میں جواب دینا ہے۔ اس طرح انسان خدا، رسول، دین اور اس کی تعلیمات سے دور ہوا ہے۔

آپ کو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ دین اور اس کے معتقدات کو نظر انداز کرکے دنیا صحیح معنی

میں ترقی نہیں کر سکتی۔ خدا اور اس کی طرف سے آئی ہوئی ہدایت کو تسلیم کیے بغیر جو قدم بھی اٹھے گا وہ غلط سمت میں اٹھے گا اور اس کے نتائج تباہ کن ہوں گے۔

میرے دوستو اور بزرگو! انبیاء علیہم السّلام نے اپنی اپنی قوم میں تنہا اپنی آواز اٹھائی۔ جس قوم میں پیدا ہوئے تنہا کھڑے ہوئے۔ بسا اوقات گھر اور خاندان بھی مخالف ہوتا۔ شدید مخالف ماحول میں انھوں نے اپنی ذمہ داری ادا کی۔ لیکن سوچئے کہ اس ملک میں ہم دو چار یا دس بیس افراد نہیں بلکہ کروڑوں کی تعداد میں ایک امت کی شکل میں موجود ہیں۔ کتنا بڑا سانحہ ہے کہ امت کی امت اپنی ذمہ داری سے غافل ہو جائے۔

اس بات پر تو ہم خوشی محسوس کرتے ہیں بلکہ بعض اوقات فخر کا اظہار کرتے ہیں کہ ہم یہاں پندرہ کروڑ کی تعداد میں موجود ہیں لیکن یہ نہیں سوچتے کہ پندرہ کروڑ کی یہ امت جس مقصد کے لیے وجود میں آئی ہے وہ پورا ہو رہا ہے یا نہیں؟ شہادت حق کی جو ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے امت پر ڈالی ہے اس کا تقاضا ہے کہ وہ اسے وہی اہمیت دے جو اسے دی گئی ہے، اس پر سنجیدگی سے سوچے اسے اپنے غور و فکر کا موضوع بنائے اور اس کے لیے ممکنہ تدابیر اختیار کرے۔ اس کام کو آج اور کل پر ٹالا نہیں جا سکتا۔ اگر اب تک ہم نے اسے ٹالا اور نظر انداز کیا تو یہ ہماری غلطی تھی۔ غلطی کے بعد اصلاح کی فکر ہونی چاہیے، کوتاہی ہوئی ہے اور یقیناً ہوئی ہے تو اس کی تلافی کی کوشش ہونی چاہیے۔